اردو غزل کی فلسفیانہ اساس، ایک تاثر

رابعہ رضوی/ سعادت سعید

ABSTRACT:

Literature provides a way for understanding life in the perspective of man, society and universe. Poets in poetry as it is said reunite themselves on the basis of their existence. This attitude brings them near to the state of philosophy. They through their symbolic and metaphorical ways of expressions can explore the depths of life around them. Numerous poets belong to the genre of Urdu Ghazal who wrote reflective poetry entered into the realm of metaphysics, logic and ethics. Their several verses contain philosophical axis. The writers of this article explored philosophical approach in Urdu Ghazal.

اردو شاعری کے حوالے سے درست کہا گیا ہے کہ ہر چند اس میں مشاہدہ حق کی گفت گو کی گئی ہو لیکن وہ بادہ و ساغر کی علامات میں ہو گی تو بات بنے گی۔ ''المجاز قنطرۃ الحقیقت'' کے مقولے کا بھی یہی مطلب ہے۔ اردو غزل گو شاعروں نے پیچیدہ فلسفیانہ اور فکری مسایل کو اپنے علامتی پیرایوں میں انتہائی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے جزو میں کل اور کل میں جزو دیکھنے کی صوفیانہ روایات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے گہرے فکری تجربات کو انتہائی روانی کے ساتھ غزل کے شعروں میں ڈھالا ہے۔ وہ سر دلبراں کو حدیث دیگراں کے ذریعے بیان کرنے کے ماہر تھے اور مابعد الطبیعیات، جمالیات اور اخلاقیات کی گہری رمزوں کو انتہائی روانی سے پیش کرنے کے ہنر سے واقف تھے۔

حقیقی شاعری کا ارتکاز فکر پر ہوتا ہے۔ شاعری کو شعور سے عبارت سمجھنے والے جانتے ہیں کہ شاعر کائنات، انسان، سماج کے بارے میں گہرے رموز و نکات بیان کرنے کے رسیا ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بیدل، غالب اور اقبال کی شاعری اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کے موتی فکر کے گہرے پانیوں سے چن کر لائے تھے۔ اسی طرح میر، سودا، درد، مصحفی، آتش، مومن، ذوق، امیر مینائی، داغ، اصغر گونڈوی، یگانہ، حسرت کی شاعری میں

ان موضوعات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے کہ جن کا براہ راست فلسفے سے تعلق ہے۔

کائنات کے مفاہیم پر شاعروں نے مختلف حوالوں (مادی، روحانی) سے غور وفکر کیا ہے،انھوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق اس کے مفاہیم و مطالب کا احاطہ بھی کیا ہے ۔اس سلسلے میں علامہ اقبال کی شاعری میں متعدد اہم اشارے ملتے ہیں۔

میر اپنی مابعد الطبیعیاتی اپروچ کے تحت کائنات میں انسان کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ انسان کو کہتے ہیں کہ تم جہاں سے سرسری گزر جاتے ہو یہاں ہر جگہ ایک نیا جہاں تمھارا منتظر ہوتا ہے۔ دنیا کا انسان کی ذہنی اور جذباتی زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ میر تقی میر سے لے کر حسرت موہانی تک سب شاعروں نے ماورائے کائنات ہستی کو تسلیم کیا ہے اور اکثر نے تو اسے کائنات میں جاری وساری قرار دیا ہے۔ یوں قریبا تمام اردو شاعروں نے خدا کو کائنات کی تخلیق کا وسیلہ جانا ہے بقول اقبال :تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذات قدیم۔۔۔ اردو شاعروں نے کائنات کی ہر شے کو حادث اور خدا کو قدیم سمجھا ہے۔ وہ مذہبی فکر کے تحت حیات بعد الممات اور کائنات میں لافانی اور ابدی زندگی یا یوم الحساب پر یقین رکھتے ہیں ۔اسی نسبت سے وہ وقت اور مکان کو بھی خالق ازل سے منسوب کرتے ہیں۔وقت کی ارتقائی گردش بھی ان کے پیش نظر رہی ہے۔وہ کائنات کو ناتمام سمجھتے ہوئے دما دم صدائے کن فیکوں کو سننے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ بقول غالب محبوب حقیقی پردے میں بھی آرائش جمال کا کام کر رہا ہے۔انسان کی مجبوری اور آزادی کے حوالے سے زیادہ تر اردو شاعروں نے فلسفہ تقدیر کو تسلیم کیا ہے تاہم عہد نو میں اقبال جیسے شاعروں نے دنیا میں انسان کے اختیار کی بات کی ہے کیوں کہ اگر وہ اعمال میں اختیار نہ رکھے تو پھر اس سے اعمال کے حساب کا مطالبہ بھی نہ ہو۔

اردو شاعروں نے زندگی کی بے ثباتی اور بے سروسامانی کے حوالے بات کرتے ہوئے آفاق کی منزل پہ انسان کی عدم سلامتی اور اس کے اعمال و اسباب کی رائیگانی اور چھننے کے بارے میں ان گنت اشعار کہے ہیں۔انھیں دنیا کے مناظر دیکھ کر محفل تصویر کی یاد آئی اور وہ حیرت پہ یوں بے خود ہوئے کہ انھیں محسوس ہوا کہ وہ اپنی پہلی سی حالت میں واپس نہیں جا سکتے۔اردو غزل گو شعرا کی فکری بساط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو توہم کی آماج گاہ قرار دے کر اپنے اعتبار اور نااعتباری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مذہبی ایمان و ایقان میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور آسمانی صحیفوں کی دانش کو قبول کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انسان ہی وہ ہستی ہے کہ جو خدا کی جانب سے عطا کردہ امانت کے بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہے۔دنیا کو سراب سمجھنا اور اپنی ناپائیداری پر آہ و زاری کرنا انھیں پسند ہے۔ البتہ وہ اخلاقی اقدار کے حوالے سے انسان بننے کی بات کرتے ہوئے انسانی جبلی اور حیوانی خصلتوں سے نجات حاصل کرنے کا سبق دیتے ہیں۔اس حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر عدم کے کوچ کی فکر لازم ہے اور انسان کو اپنے ساتھ نیکیوں کا خزینہ لے کر جانا چاہیے تا کہ وہ دوسری دنیا میں ہونے والے حساب کتاب میں سرخرو ہو سکے۔اردو غزل شاعروں نے خدا کو مخفی اور دنیا کو آشکارا کہا ہے۔یوں وہ 'ان کنز المخفی' والی حدیث قدسی کی جانب اشارہ کناں رہے ہیں۔ان کے خیال میں خدا بطور گنج کی صورت نہاں ہے اور دنیا ایک

ویسٹ لینڈ یا ویرانے کی صورت ظاہر ہے۔ ان شاعروں نے خدا کو خالق کائنات تسلیم کیا ہے اور انسان کو کئی اعتبار سے اس کے سامنے بطور فریادی دیکھا ہے۔ وحدۃ الوجود کی نسبت سے انھیں سب کچھ ایک کل کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔اس کل میں شہود و شاہد و مشہود و مشاہدہ ایک ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ وہ اپنی اور دنیا کی رنگا رنگ تخلیقات کے حوالے سے یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ اگر دنیا میں ہر سو خدا ہی کی ذات ہے تو پھر دیگر مخلوقات کے ہنگامے کو کس کھاتے میں رکھا جائے گا۔میر سے لے کر اقبال تک اکثر اردو غزل گو شعرا جا بجا نقش کف پائے یار دیکھنے کی بات کرتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں لباس مجاز میں نظر آنے والے خدا کو فی الحقیقت سامنے بھی آنا چاہیے۔اردو غزل گو فکری اعتبار سے بالیدہ اور پختہ شاعری کرتے ہوئے اس امر کی نشان دہی کرتے ہیں کہ انسان کو دنیا کے منظروں کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ جہاں میں ہر جگہ ایک نیا عالم دیکھے گا۔ علاوہ ازیں وہ انسان کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ صرف مادی دنیا کے منظروں میں کھو کر نہ رہ جائے ۔اس کو فکری اعتبار سے ماورائے جہاں جانے کی بابت بھی سوچنا چاہیے۔ اردو غزل گو شعرا کی غزلوں میں فکر کے عینی تصورات پر زیادہ زور دیا گیا ہے ۔اسی لیے ان میں حمد، نعت، منقبت، قرآنی احکامات، صوفیانہ اخلاقیات، مجاز سے حقیقت کی سفر کے حوالے سے عمدہ اشعار دستیاب ہیں۔

مادہ کیا ہے؟ خیال کیا ہے؟ان کا آپس میں رشتہ کیا ہے؟ مادے نے خیال کو جنم دیا یا خیال نے مادے کو؟ روح کیا ہے؟ روح ہے یا نہیں ہے؟ اگر ہے تو اس کا جسم سے کیا رشتہ ہے؟ضمیر کیا ہے؟ نیکی اور بدی کیا ہے؟ان کا سرچشمہ کیا ہے؟حسن کیا ہے ؟حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہے یا دیکھی جانے والی معروضی چیز میں؟ انسان کے اعمال کا محرک کیا ہے؟حصول لذت،اعلیٰ آدرش،نیکی ،فائدہ،رضائے الٰہی ،حصول مسرت کی نوعیتیں کیا ہیں؟ قدیم یونان سے لے کر عہد حاضر تک اکثر فلسفیوں اور ان کے تتبع میں شاعروں اور عالموں نے ان موضوعات و مسایل پر مادی اور روحانی دونوں سطحوں پر روشنی ڈالی ہے ۔ بقول الف۔د۔نسیم :

> ''اگرچہ فلسفہ کا کینوس بہت وسیع ہے اور اس میں فلسفہ قانون ، فلسفہ جمالیات ، فلسفہ مذہب ، فلسفہ تاریخ بل کہ فلسفہ ریاضیات اور فلسفہ لسانیات کو بھی جگہ دی جاسکتی ہے ۔لیکن پھر بھی ہمیں فلسفہ میں صرف ان علوم کا شمار کرنا ہوگا جو کائنات اور اشیا کی حقیقت کے ادراک میں مدد دیتے ہیں ۔ اس لحاظ سے حکما نے صرف تین علوم کو بنیادی فلسفیانہ علوم میں شمار کیا ہے ۔ اول مابعدالطبیعیات جو اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتی ہے کہ عالم کے گوناگوں مظاہر کی تہ میں اصل حقیقت کیا ہے ۔ دوم فلسفہ علم جو خالص منطق کا علم ہے اور سوم اخلاقیات جس کا موضوع خود انسان ہے ۔تمام دوسرے علوم فلسفہ کی فروع ہیں۔'' (۱)

فلسفہ کہ جو ماورائی حوالوں کا سامنے لاتا ہے مابعدالطبیعیات کے زمرے میں آتا ہے۔ اس میں درج ذیل سوالات اٹھائے جاتے ہیں: حقیقی وجود کیا ہے؟ مادہ یا ذہن یا کوئی اور شے ؟ وجود میں وحدت ہے یا کثرت؟ کائنات کس طرح بنی ہے؟ کائنات کی تشریح طبعی عوامل سے یا کسی دوسری شے (ذہن) سے کر سکتے ہیں؟ ہم حقیقت کا علم یا ادراک کن

ذرائع سے کرتے ہیں؟حس،عقل،یاوجدان عالم مظہراورعالم بالذات میں کیافرق ہے ؟(عالم مظہرموجودات کی دنیاہے ۔عالم بالذات ایساعالم ہے جس کاہمیں کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔اس میں روح، خدا،زندگی بعدموت وغیرہ کے تصورات ملتے ہیں۔) فلسفہ حقیقت کے ساتھ صداقت کی بھی تلاش کرتاہے ۔تمام فلسفوں میں سے کون سافلسفہ سچاہے؟سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ دنیاکیسی ہے جب کہ فلسفہ ہمیں بتاتاہے کہ زندگی اورکائنات کامطلب اورمقصدکیاہے؟اس میں کون سی اقدار پنہاں ہیں؟فلسفہ اخلاق ہماری زندگی کے عملی پہلوپرحکیمانہ نظرڈالتاہے،اچھائی برائی سکون قلب ،مسرت ،یاسیت ،رجائیت ،فرض، کردار،حسن ان سب کے معیارات کیاہیں؟کیایہ مستقل ہیں یاتغیرپذیر؟کیایہ سب کسی حقیقت کی جانب سے دیے گئے ہیں یامعاشرتی رسم ورواج کے تابع ہیں فلسفہ ان سب امور پرروشنی ڈالتاہے۔(۲)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کہتے ہیں:

''مذہب و فلسفہ کی طرح شاعری بھی نہایت قدیم زمانے کی پیداوار ہے ۔بعض اہل علم تو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی شعرمنسوب کرتے ہیں ۔لیکن اس میں شک نہیں کہ شاعری کے وجود کے آثاراس زمانے میں نظرآتے ہیں جب انسان کائنات کے ساحرانہ نظریہ میں یقین رکھتا تھا اور مافوق الفطرت طاقتوں خصوصا جنوں ، پریوں، دیووں اور روحوں سے مرعوب تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسانی ذہن میں خدا کے کسی واضح تصور نے تشکیل نہ پائی تھی اور مذہب ایک باقاعدہ صورت میں اس کے سامنے نہ آیا تھا۔ اس وقت لوگوں کے اجتماعی اظہار کا ذریعہ یا تو ناچ تھے جن کے ساتھ پاؤں اور ڈھول کی قسم کے ساز کی متناسب اور متوازن حرکات وسکنات شامل ہوتی تھیں اور یا ایسے بول تھے جن میں کسی حد تک آہنگ موجود ہوتا تھا۔ یہ شاعری کی اولین شکل تھی ۔ بعد میں جب انسانی ذہن ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچا جہاں وہ اپنے سے کسی برتر ہستی کا مفہوم سمجھنے اور اس کے اوامر ونواہی پرعمل کرنے کے قابل ہوا تو ان ردمک بولوں کی جگہ بھجنوں نے لے لی ۔جن میں کائنات پرغور وفکر کی سطحی مثالیں ملتی ہیں ۔اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا جب اصنامیات کا فروغ ہوا جو قبائل کی روایت کے ترجمان تھے ۔ اسی لیے اس دور کے ادب کوعموما قبیلے کے ادب کا نام دیا جاتا ہے ۔ اسی طرح ادب کا یہ قافلہ شہری ادب ، تقابلی ادب،قومی ادب وغیرہ کی منازل سے گزرتا ہوا آج آفاقی ادب کے مقام پر پہنچ چکا ہے ۔ اس قافلے کی رفتار کے ساتھ ساتھ شاعری بھی اپنے رجحانات بدلتی رہی ہے اور کلاسیکیت، رومانیت ، فطرت نگاری، اثریت ، اظہاریت اور مستقبلیت کی تحریکوں میں ظاہر ہوتی ہوئی آج سائنس کی دنیا سے مفاہمت پیدا کرچکی ہے اور بڑے بڑے پیچیدہ اورخشک مسایل کواپنی آغوش میں لے رہی ہے ۔''(۳)

عہد حاضر میں اپسٹومولوجی اور انٹالوجی کی مدد سے فکر وفلسفہ کی دنیا سے وابستہ انسان نے علم و وجود کی گتھیاں

سلجھانے کا معرکہ الآرا کام اپنے ذمے لے رکھا کیا ہے۔علم انسان اور انسانی وجود کی فہم سے کیا تعلق رکھتا ہے؟ اس کی گتھیاں سلجھانا کیوں ضروری ہے،علم کا انٹالوجی سے کیا تعلق ہے۔اسے سمجھنے والے ذہن کی اپنی سطح کیا ہے۔ ہر علاقے اور خطے کے شاعروں نے ان موضوعات پر بخوبی غور وفکر بھی کیا ہے اور انھیں اپنے اظہار کا حصہ بھی بنایا ہے۔علم کے سوال پر شاعروں نے سیدھا فیصلہ صادر کیا کہ:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی (یگانہ) (۴)

بلاشبہ فلسفہ اور شعر ہر دو کا تعلق مختلف اقالیم سے ہے۔فلسفہ کی بنیاد عقل واستدلال پر ہے جس کا مقصد حیات وکائنات کے مسایل پر غور وفکر اور تدبر کر کے منطقی نتایج اخذ کرنا ہے جب کہ کائنات شعر کی اپنی مخصوص جمالیات ہے جو موزوں اور مترنم الفاظ میں ڈھلتی چلی جاتی ہے بظاہر فلسفہ وشعر کی اقالیم دو الگ دھارے یا کسی ندی کے دو الگ الگ کنارے ہیں جن کا ملاپ ممکن نہیں لیکن اگر تاریخ شعروادب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فلسفیانہ تصورات اور شعری تخیلات ایک حسین امتزاج میں ڈھل کر فکر وخیال کو دوآتشہ کرتے ہیں۔انسانی فکر کا آغاز کیا، کیوں اور کیسے سے جنم لینے والے سوالات سے ہوا۔وہ سوالات جو خالصتاً انسانی فکر کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں یعنی اس کائنات کی ماہیت اس کی خاصیت اس میں کسی مستقل عنصر کی موجودگی اس کائنات کے ساتھ ہمارا تعلق گویا فلسفیانہ تفکر کی ایک تثلیث "God Universe and Man" خدا، کائنات اور انسان یا خدا، انسان اور کائنات کی تثلیث ہے۔انسانی فکر جب خالصتاً عقلی ومنطقی ڈگر پر چلنا شروع ہوئی۔اسی ڈگر پر چلتے ہوئے وہ اس کائنات کا راز پانے کی کوشش اور مافوق الفطرت مظاہر پر اپنا تصرف جمانے کی کوشش میں مصروف نظر آئی۔اس کے لیے اس نے جو بھی حل تلاش کیے سب اس کے فکری ارتقا کی عکاسی کر رہے تھے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زندگی کے دکھ، تکلیف اور مصائب وآلام کا منبع کسی ایسی قوت کو جو انسان سے کہیں طاقتور ہے، اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور جو اس کے احاطہ شعور میں نہیں آسکتی ٹھہرانا انسان کی پرانی ''فکری عادت'' ہے۔ انسان نے اپنی فکر کی پرورش کسی بھی مظہر، کسی بھی وجود کے تجزیہ سے نتیجہ اخذ کرنے کے اصول سے کی ہے۔ایسے سوالات جو خالصتاً انسانی فکر کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں ان کے جواب میں اگرچہ تنوع آتا رہا لیکن انسانی ذہن ہمہ وقت ارتقائی منازل طے کرتا رہا اور کسی حد تک اپنے اپنے زمانے میں اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتا رہا۔ G. Watts کہتا ہے:

"The Popular Conception of Philosophy seems to be that it is a tumble-ground to philosophize, it seems to be commonly supposed, is to dream hazily about things." (۵)

کائنات پر غور سے یہ سوالات بھی جنم لیتے ہیں کہ ہمارا کائنات سے کیا رشتہ ہے؟ یا ہم یوں ہی بے غایت اس میں بھیجے گئے ہیں پھر یہ سوال ہمیں اس طرف بھی لے جاتا ہے کہ کیا یہ کائنات خود بخود بن گئی ہے یا اس کا کوئی بنانے والا بھی ہے اور اس کا کوئی بنانے والا ہے تو اس کی ذات کی نوعیت کیا ہے اور اس کائنات کی تخلیق سے اس کی غایت

کیا تھی یہ کائنات کب سے ہے؟ کیا یہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی؟ یہ سوالات زمان ومکان کے تصورات کی طرف لے جاتے ہیں؟ پھر انسان کے حوالے سے یہ سوال بھی ابھرآتا ہے کہ خود انسان کا مقدر کیا ہے اور اسے کائنات میں سے کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے کہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر سکے؟ اس طرح کے متعدد سوالات کے جوابات انسان صدیوں سے دیتا چلا آرہا ہے ان سوالات پر عام آدمی سوچتا اور غور کرتا ہے اور اپنی فکر اور علم کی بساط کے مطابق اپنا جواب تلاش کرتا ہے اور یوں ان سوالات کے جوابات جب علمی اور فکری سطح پر مربوط اور منضبط طریقے سے گہرے سوچ وبچار کے بعد جب کوئی شخص فراہم کرتا ہے یا ان سوالات کی تجسیم کرتا ہے تو اس انسان کا رویہ ایک فلسفی کا ہوتا ہے۔ فلسفے میں بنیادی طور پر ان سوالات کو اٹھایا جاتا ہے۔

دنیا بھر کا فلسفہ کم وبیش انہی سوالوں کے گرد گھومتا ہے اور ان کے ہزاروں جوابات نئے سے نئے استدلال، طریق کار اور انداز سے دیے گئے ہیں لیکن اگر ان سب کی چھان پھٹک کریں تو یہ سب جوابات فلسفے کے ایک بنیادی سوال کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔

مادہ پہلے ہے یا خیال، مادے نے خیال کو جنم دیا یا خیال نے مادے کو روزِ ینتھال کے خیال میں:

''کائنات اور مادے کے بارے میں انسانی سوچ اور سوالات ہی فلسفے کی بنیاد ہیں'' (۶)

اکثر فلسفی اس سوال پر اپنا مؤقف اختیار کرتے ہوئے دو مخالف فریقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ مادہ پہلے ہے اور مادے نے خیال کو جنم دیا ہے۔ اس تقسیم کی بنا پر دو عالمی نقطہ ہائے نظر صورت پذیر ہوتے ہیں۔ عینی نقطہ نظر اور مادی نقطہ نظر۔ عینی فلسفے کے اندر ان گنت مکاتبِ فکر ہو سکتے ہیں مگر بنیادی نکتے پر وہ جا کر متفق ہو جاتے ہیں اور وہ ہے خیال اور ذہن کی مادے پر اولیت۔ اسی وجہ سے وہ مابعد الطبیعیات کا اقرار کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ خدا کا اقرار کرتے ہیں بعض عینی مکاتب کہ جو مادیت کا لباس پہنتے ہیں، سیکولر ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن جب کائنات کی گتھیوں کو سلجھانے نکلتے ہیں تو وہ ایسے گورکھ دھندے میں پھنس جاتے ہیں کہ جس سے نکلنے کا راستہ صرف ایک ہی رہ جاتا ہے اور وہ ہے مابعد الطبیعیات کا اقرار۔ مادی فلسفے میں دو راستوں کی جد و جہد میں صرف ایک راستہ ہی مادیت کا حقیقی ساتھ دیتا ہے۔ دوسرا سینکڑوں پیچیدہ راستوں سے ہوتا ہوا عینیت کے دامن میں جا کر پناہ لیتا ہے۔ بہر کیف مادی اور عینی فلسفوں کا اپنا ایک الگ تاریخی کردار بھی ہے اور ایک طبقاتی کردار بھی عینی فلسفے نے ہمیشہ کائنات، انسان اور دنیا کی صرف تعبیر وتشریح کی ہے۔ (۷)

اردو غزل گو شعرا نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنی شاعری میں حقائق اشیا کا ادراک کیا ہے۔ انھوں نے جذبہ اور فکر کی آمیزش سے عمدہ اشعار کہے ہیں۔ جن شاعروں نے اکثر اس رجحان سے کام لیا ہے ان کے ہاں فکری شاعری کے در وا ہوئے ہیں۔ فکر کو جب جذبہ وتخیل کے وسیلے سے پیش کیا جاتا ہے فلسفیانہ شاعری کے امکان روشن ہوتے ہیں۔ اس نسبت سے کئی نقادوں نے اعلیٰ فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کو ایک وحدت میں ڈھلا دیکھا ہے۔ ہستی کی گرم بازاری دیکھنے کے لیے شاعر اگر عمیق نظر سے کام لیتا ہے تو وہ بڑے عقدے کھول سکتا ہے۔ شاعر اس کارگہہ شیشہ گری میں سختی سے قدم رکھنے کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتے ہیں کہ انھیں ہر سنگ بھی دکان شیشہ گر نظر آتا

ہے۔وہ زمین و زماں کو کھلی آنکھوں سے جب دیکھتا ہے تو عروس ہستی کو زلف کشا پاتا ہے۔یوں اس پر پراس کا رنگ و بو کھل جاتا ہے۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے میں فلسفیانہ موضوعات کی یوں حد بندی کی ہے:

''ا۔علم کی حقیقت ۲۔ترکیب و تشکیل عالم۔۳۔جسم و غیر جسم کا تضاد۔۴۔جوہر و عرض۔۵۔علت و معلول۔ ۶۔مادہ اور غیر مادہ کی اصلیت۔ ۷۔سکون و ثبات ۸۔عناصر کی بحث ۹۔شہود و حقیقت۔۱۰۔انسان کی حیثیت ۱۱۔محبت و نفرت ۱۲۔خود شناسی و خودی ۱۳۔زمان و مکاں۔۱۴۔نظریہ اضافیت۔۱۵۔جزو و کل ۱۶۔حقیقت روح۔ ۱۷۔وجود و عدم۔۱۸۔خیر و شر۔ ۱۹۔وحدۃ الوجود''(۸)

اردو غزل میں یہ موضوعات تشبیہ۔ استعارہ، علامت، مجاز مرسل، حسن تعلیل اور علم بیان و بدیع کے دیگر وسایل کے حوالے سے بار پاتے ہیں۔ان کے حوالے سے ہر اہم شاعر کے دیوان سے متعدد اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں۔

ترقی پسند غزل گو شعار نے بڑی عہد تک عینی فکر و فلسفہ سے انحراف کیا ہے اور انھوں نے روحانیت اور مذہب کے میدانوں سے زیادہ نسبت نہیں رکھی۔ان کی شاعری میں پیش کیے جانے والے خیالات زیادہ تر مادی دنیا کے مسایل و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کا مادی فلسفہ کسی حد تک دنیا کو بدلنے کی ذمے داری بھی قبول کرتا ہے۔

حوالے:

(۱) ڈاکٹر الف۔د۔نسیم، اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر، قلمی، مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، تمہیدی مباحث، ص ا

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

(۴) یگانہ چنگیزی، کلیات یگانہ، مرتبہ مشفق خواجہ، دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۵ء، ص ۵۰۲

(5) G.Watts, *Problems of Philosophy*, London, George Harrap, Co-limited.p 3

(۶) روزینتھال، لغات سماجی علوم و فلسفہ، ترجمہ حواشی، پروفیسر، ڈاکٹر خیال امروہوی، لاہور، یو پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۷

(۷) وحید عشرت، ڈاکٹر، فلسفہ کیا ہے؟ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۶

(۸) ڈاکٹر الف۔د۔نسیم، اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر، قلمی، مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، تمہیدی مباحث، ص ا